OPEN ACCESS
AL-TABYEEN
(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.*

ISSN (Print) : 2664-1178
ISSN (Online) : 2664-1186
Jan-jun-2022
Vol: 6, Issue: 1
Email: altabyeen@ais.uol.edu.pk
OJS: hpej.net/journals/al-tabyeen/index

اختلاف امت کو کم کرنے کی ممکنہ صورتیں؛ایک تحقیقی مطالعہ

(برصغیر پاک وہند کے تناظر میں)

ڈاکٹر محمد ایاز*
ڈاکٹر نذیر احمد بھٹہ**

ABSTRACT

Unity is essential for the glory and survival of the Muslim Ummah. Every success of this Ummah was achieved through unity. Whenever it failed, it was due to dissensions and divisions. At present, the rights of Muslims are being violated by non-Muslim nations, their freedom is being taken away and their resources are being seized. One of the reasons for this is dissension and difference of the Ummah. The Ummah is heavily responsible for upholding religious tolerance and moderation in disputes. If it is impossible to abandon the sects, then one should respect the sects of others while adhering to one's own sects and avoid ridiculing and disbelieving in them, because since the Muslim Ummah has been embroiled in sectarian strife, its real aim is to make non-Muslims For the sake of preaching and invitation, it has been forgotten. One of the goals of Islamic teachings is real unity. Sectarianism hinders the recognition of facts and scientific and practical

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، غازی یونیورسٹی، ڈی جی خان
** لیکچرر اسلامک اسٹڈیز، اسلام آباد ماڈل پوسٹ گریجوایٹ کالج، H-8، اسلام آباد

activities tend to decline rather than progress. The Muslim Ummah should abandon its own professional identity and present its concept only in the context of Islam. The idea of the unity of the Ummah is possible for everyone to follow their own sect, but it is not the turn of fighting among themselves. We should spend our talents on positive research.

KeyWords: اتحاد امت، اعتدال، اختلاف، فرقہ وارانہ فساد، مثبت تحقیق

تمہید

امت مسلمہ کی شان و شوکت اور بقا کے لیے اتحاد ناگزیر ہے۔ اس امت نے ہر کامیابی اتحاد کی بدولت حاصل کی۔ جب بھی اسے ناکامی ہوئی تو اختلاف و افتراق کی وجہ سے ہوئی۔ اس وقت غیر مسلم اقوام کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، ان کی آزادی سلب کی جارہی ہے اور ان کے وسائل پر قبضہ کیا جارہا ہے۔ اسکی ایک وجہ اتحاد امت کا فقدان ہے۔ امت پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مذہبی رواداری اور اختلافی مسائل میں اعتدال کا دامن مضبوطی سے پکڑے۔ اگر مسالک کا ترک کر دینا ناممکن ہے تو اپنے اپنے مسالک پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کے مسالک کا احترام کرنا چاہیے اور ان کی تضحیک و تکفیر سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ جب سے امت مسلمہ گروہی مناقشات میں الجھی ہے تب سے اپنا مقصدِ اصلی جو کہ غیر مسلموں کے لیے تبلیغ و دعوت کی مساعی ہے اسے بھول گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات کا ایک مقصدِ اصلی وحدت اور یگانگت بھی ہے۔ کیونکہ گروہ بندی اور فرقہ پرستی حقائق تسلیم کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے اور علمی اور عملی سرگرمیوں کا رخ ترقی کی بجائے تنزلی کی طرف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا﴾[1]

"اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمھاری ہوا اور ہر مصیبت میں صبر کرو"

ہمارے ہاں ہمیشہ مذہب اور اسلام کے نام پر ہم اپنے نظریات کے حریف فرقوں پر کیچڑ اچھالنے اور انکی

---

[1]. الانفال:46

غلطیاں و کمزوریاں تلاش کرنے میں شب و روز صرف کرنے کو زندگی کا مشن بنا لیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر مسلک والا خود کو درست اور دوسروں کو غلط قرار دیتا ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں اسی اصلاح کے نام سے تقریر، تحریر اور تبلیغ کی جا رہی ہے۔ اتحاد امت کے لئے کوشاں رہنے کی بجائے انتشار امت پر بہت لکھا گیا ہے۔ لیکن اتحاد امت کے لئے اورامت کے باہمی اختلافات کو کم کرنے کے لیے تحریری مواد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی خلا کو پر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اختلاف امت میں اعتدال کی راہ تلاش کی جائے۔ اسی تناظر میں پروفیسر ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ۔ "کاش مجھے کوئی اچھا سا فارمولا مل جائے جس کی وجہ سے امت مسلمہ اپنے اپنے مسلکی تشخصات کو چھوڑ کر صرف اسلام کے حوالے سے اپنا تصور پیش کرے۔ تمام مسلکی تفرقہ ختم ہو جائے اور ہم سب ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں خوشی محسوس کریں۔ کاش امت مسلمہ کا ہر شخص اپنا تشخص مسلک کو نہیں بلکہ اسلام کو بنائے"[1] اتحاد امت ممکن ہے لیکن صدیوں پر محیط مسلک کی خلیج ختم کرانا الفاظ کی حد تک تو شاید ممکن ہو لیکن حقیقت کی دنیا میں تقریباًنا ممکن ہے۔ اتحاد امت کا یہ تصور ممکن ہے کہ ہر کوئی اپنے مسلک پر عمل پیرا رہے لیکن آپس میں لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔

متفقہ نظریات اور اتحاد امت

قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾[2]

"آپ فرمایئے کہ اے اہل کتاب اس ایک ٹھوس بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے"

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالی نے اسی "نقطہ اشتراک" کا ایک ضابطہ دیا ہے۔ یعنی مشترک باتوں پر اتحاد کر لیا جائے تاکہ دشمن کے ساتھ مل کر لڑا جا سکے۔ چاہے باقی باتوں میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ ضابطہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

مختلف مسالک کے اتحاد سے مراد انکا انضمام نہیں ہے بلکہ ایک بڑے دشمن کے خلاف یکجہتی کا مظاہرہ ہوتا

[1]۔ پروفیسر حبیب اللہ، اتحاد امت کیسے ممکن ہے، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ص 11

[2]۔ آل عمران:64

ہے۔"نقطہ اشتراک" کی بنیاد پر ہونے والا اتحاد کوئی انہونی چیز ہے اور ناہی افسانہ بلکہ اسلام کی پہلی تاریخ سے قطعہ نظر کرتے ہوئے ماضی قریب میں ہمیں دو مثالیں ملتی ہیں۔ان دو مواقع پر مختلف فرقوں میں جو اتحاد دیکھا گیا وہ مثالی ہے۔ تحریک پاکستان کے وقت جس میں تمام مسلمان اپنے اپنے مسالک کو بالائے طاق رکھ کر مسلم لیگ کے ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ کسی نے بھی اپنا مسلک چھوڑا نہیں تھا۔ تمام نے ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے آپس کے باہمی اختلافات کو بھلا کر اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کیا جس کے صلہ میں ہمیں مملکت خداداد پاکستان کا تحفہ ملا۔دوسرا عملی مظاہرہ تحریک ختم نبوت کے معاملے پر ہوا۔ قادیانیت کا فتنہ تاریخ اسلامی کا سب سے بڑا فتنہ تھا۔اس کی تردید میں امت مسلمہ نے اپنے باہمی اختلاف کو پیچھے کر کے ایک بڑے مقصد کے لیے جمع ہو گئے اس وحدت و یگانگت کے سبب قادیانیت اپنے انجام کو پہنچی۔ اگر "نقطہ اشتراک" پر اتحاد کا یہ مظاہرہ نہ ہوتا تو زمینی حقائق یہ کہتے ہیں کہ امت اپنے اعلی مقصد کے حصول میں کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکتی۔ آج کے نازک حالات بھی ہم سے یہ تقاضا کرتے ہیں اپنی زندگی کا لائحہ عمل "نقطہ اشتراک" کے اصول پر طے کر لیں۔

آج بھی حالات بہت گھمبیر ہو چکے ہیں۔ چشم تصور سے پوری دنیا میں امت مسلمہ کے حالات پر غور کریں تو منظر بڑا دکھ بھرا اور کربناک ہے۔ملت اسلامیہ کا خون بہت ارزاں سمجھا جارہا ہے۔ہمارا مشترکہ دشمن فرقہ پرستی کی آگ کو خوب بھڑکارہا ہے اور اپنے مذموم مقاصد میں ہمارے مسلکی اختلافات کی وجہ سے ابھی تک کامیاب نظر آرہا ہے۔ان انتہائی حساس حالات میں کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم آپس کے نزاعی مسائل کو اپنی حد تک رکھیں اور متفقہ عقائد جو دین کی اساس ہیں انہی پر ساری توجہ مرکوز کر لیں۔ تا کہ ہماری صلاحیتیں آپس کے جھگڑوں کی بجائے کفر والحاد کے خاتمہ کے لیے استعمال ہوں۔ تا کہ ہم زمانے میں محبت و آشتی کی شمع روشن کر سکیں اور ان ظلم و ستم کے اندھیروں کو مٹا سکیں جن میں ہوس کے پجاریوں نے دنیا کو دھکیل دیا ہے۔

ترجیحات کے تعین میں احتیاط

یہ نقطہ اشتراک پر اتحاد ہی کی دوسری تعبیر ہے۔ہر انسان اپنی زندگی کچھ ترجیحی اصولوں پر گزارتا ہے۔وہ ہمیشہ ایک بڑے نقصان سے بچنے کیلیے چھوٹے نقصان کو قبول کرتا ہے ایک بڑے فائدے کو پانے کیلیے چھوٹے مفادات کو قربان کرتا ہے۔اگر امت بالخصوص اسکے ارباب حل وعقد اپنی ترجیحات بدل لیں تب بھی ملت اسلامیہ میں اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔افتراق وانتشار کی بھڑکتی آگ بجھ سکتی ہے اور امت باہمی

جنگ و جدل سے محفوظ ہو کر پوری دنیا میں اقامت دین کا فریضہ انجام دے سکتی ہے۔ ترجیحات کے تعین میں احتیاط سے مراد یہ ہے کہ ان کافروں کی طرف توجہ دی جائے جن کے کفر میں کوئی شک نہیں اور جو اسلام کے نام سے بدکتے ہیں اور اسے لٹیروں کا گروہ سمجھتے ہیں۔ کلمہ گو کو مشرک یا کافر ثابت کرنے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کرنا اور ان لاکھوں کافروں کو کچھ نہ کہنا جو اسلام سے متنفر اور کفر و شرک پر نازاں ہیں یہ بھلا کہاں کی حکمت ہے؟ اور یہ دانش مندی کی کون سی قسم ہے کہ جو اسلام کا جتنا بڑا دشمن ہے اتنا ہی ہماری توجہ کا مستحق ہے؟ اس تناظر میں سید خورشید احمد گیلانی نے بہت خوبصورت بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں" دنیا امت محمدی کو مسلمان دیکھتی ہے خواہ وہ مسلمان ایران کا شیعہ ہو، پاکستان کا سنی ہو، ہندوستان کا دیوبندی ہو یا سعودی عرب کا اہلحدیث ہو۔ دنیا کے نقشے اور اقوام متحدہ کے دفتر میں یہ ممالک مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔ حج بیت اللہ مسلمان کرتے ہیں کوئی سکھ، ہندو، عیسائی یا یہودی حج کرنے نہیں جاتا۔ قبلہ رخ نماز بھی مسلمان پڑھتے ہیں مگر ہم ہیں کہ ہمارے اندر کفر و اسلام کا معرکہ بپا ہے اگر ہم ایک دوسرے کے فتووں کے مطابق کافر ہیں اور گمراہ، مرتد اور بدعتی، مشرک اور گستاخ رسول ہیں تو اس کائنات کے اس جزیرے کی ضرور نشاندہی کی جائے جہاں مسلمان بستے اور سانس لیتے ہیں"[1]

قطعی اختلاف اپنی جگہ رکھتے ہوئے یہود جیسے راندہ درگاہ لوگوں سے معاہدہ (میثاق مدینہ) ہو سکتا ہے اور دشمنوں کی ترجیحات کا تعین کرتے ہوئے نسبتاً چھوٹے دشمنوں سے معاہدہ کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے تو پھر آج کل کے حالات میں عالم کفر سے نمٹنے کیلئے اور کفر کی یلغار سے بچنے کے لئے مختلف مسالک جن میں بے شمار قطعی عقائد میں اتفاق ہے، اپنے دیگر اختلافات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کیوں نہیں کرتے؟ جب مقصد عظیم ہو اور منزل پانے کا جنون انسان پر سوار ہو تو پھر فکر کے دھارے اور سوچوں کے رخ بدل جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان ترجیحات کا صحیح تعین صرف مذہبی نقطہ نظر سے ہی وحدت و یگانگت کا امین نہیں بلکہ سیاسی پہلو سے بھی ملت اسلامیہ کے اختلافات ختم کر کے انہیں ایک لڑی میں پرویا جا سکتا ہے۔

دوسری طرف اگر ہم یہود و نصاریٰ کی طرف دیکھیں تو یہ ہم سب کیلیے باعث عبرت ہے کہ یہ دونوں اپنی دو

---

[1]۔ خورشید احمد گیلانی، روح تصوف، فرید بک سٹال، لاہور، ص:132

ہزار سال کی دشمنی بھلا کر اختلافات کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے اتحاد کر چکے ہیں۔ جبکہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے تحاشہ توہین کرتے ہیں اور عیسائیوں نے جو یہود پر شب خون مارا وہ بھی ناقابل فراموش تھا لیکن وہ متحد ہیں۔ آخر امت مسلمہ اپنے باہمی اختلافات کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے کفر کے خلاف متحد کیوں نہیں ہو سکتی؟ اگر یہود و نصاریٰ ملت اسلامیہ کی تباہی کو مقصد بنا کر اپنی ترجیحات بدل سکتے ہیں تو ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک کعبہ کو ماننے والی امت مسلمہ کفر اور طاغوتی یلغار کا مقابلہ کرنے کیلیے اپنی ترجیحات کیوں نہیں بدل سکتی؟

دوسروں کے اکابرین کا احترام کرنا

محبت کے رشتے بڑے نازک ہوتے ہیں اور اگر محبت مذہبی نوعیت کی ہو تو نزاکت اور حساسیت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ عملی طور پر یہ تو ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایک کا محبوب سب کا ہی محبوب ہو۔ لیکن ہر محب یہ ضرور چاہتا ہے کہ کوئی بھی اسکے محبوب کی تنقیص نہ کرے اور کوئی بھی اس کی توہین کا ارتکاب نہ کرے۔ انسانوں میں اختلاف رائے کا پایا جانا تعجب کا مقام ہے نہ ہی افسوس کا بلکہ اختلاف رائے ہونا تو صاحب رائے ہونے کی دلیل ہے اور یہ فی نفسہ مقام مدح ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس وقت فتنہ وفساد اور اختلاف وانتشار کی جس آگ نے امت مسلمہ کو گھیر رکھا ہے اسکا ایک بڑا سبب ایک دوسرے کے اکابرین پر سب و شتم اور طنز و استہزاء نہیں؟ تقریر وتحریر کا بڑا مقصد تو بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کی راہ پر لانا تھا لیکن ہم نے ایک دوسرے پر سب و شتم کرنے اور کفر و شرک کا اعلان کرتے ہوئے اپنوں ہی کو اپنا دشمن بنالیا۔ جب ہم ایک دوسرے کے اکابرین پر سب و شتم کرتے ہیں تو ہمیں قرآن کی یہ آیت کیوں نظر نہیں آتی؟

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[1]

"اور تم نہ برا بھلا کہو انھیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا (ایسا نہ ہو) کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔ یونہی آراستہ کر دیا ہے ہم نے ہر امت کے لیے ان کا

---

[1] الانعام: 108

عمل پھر اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے انھوں نے پھر وہ انھیں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے"

کیا قرآن کریم کا یہ اصول ہماری رہنمائی کے لیے کافی نہیں؟ تعجب ہے اس دین کا ماننے والا جو بتوں کی سب و شتم سے روکتا ہے، اپنے مخالف مسلک کے اکابرین کو گالی گلوچ کیسے کرتا ہے؟ غلام رسول سعیدی صاحب نے بحوالہ امام قرطبی نے اس مقام پر لکھا ہے کہ "یہ حکم امت میں قیامت تک باقی ہے"[1]

جو دین عام حالات میں بھی نہ صرف برائی نہ کرنے کا حکم دیتا ہے بلکہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کا حکم دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾[2]

"اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی اے سُننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست"

دوسروں کے اکابرین پر کیچڑ اچھالنا دراصل اپنے اکابرین پر کیچڑ اچھالنا ہے ہمیں یہ عمل کرتے ہوئے اس حدیث کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ". قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ " يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ [3]

"یقیناً سب سے بڑے گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ (ﷺ)! کوئی شخص اپنے ہی والدین پر کیسے لعنت بھیجے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص دوسرے کے باپ کو برا بھلا کہے گا تو دوسرا بھی اس کے باپ کو اور اس کی ماں کو برا بھلا کہے گا۔"

---

[1]۔ غلام رسول سعیدی، تفسیر تبیان القرآن، دار العلوم نعیمیہ، کراچی، 645:3

[2]۔ فصلت:34

[3]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری الجامع المسند، انٹرنیشنل حدیث نمبر 5973

کیا قرآن وسنت کی ان تعلیمات کی موجودگی میں کسی کو بھی زیب دیتا ہے کہ وہ کسی کے بھی اکابرین کو گالی دے ان پر کیچڑ اچھالے یا ان کا تمسخر اڑائے؟ بدلے میں صرف وہی کچھ ہو گا جو ہم نے قرآن وحدیث سے سیکھا۔

حسن ظن سے کام لینا

حسن ظن ایسی عبادت ہے جس میں اپنے آپ کو کسی بدنی مشقت اور مالی قربانی دیئے بغیر صرف اپنی فکر کو مثبت سمت میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ اصل چیز تو حسن ظن ہے سوء ظن تو کسی دلیل کی وجہ سے کیا جاتا ہے لیکن کسی دلیل کے بغیر بدگمانی کرنا اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ بدگمانی کرنا مومن کی شان نہیں۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾[1]

"اے ایمان والو زیادہ تر گمان سے بچا کرو بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

مومن کی یہ شان ہے کے وہ حسن ظن سے کام لیتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ولا تظنن بکلمة خرجت من اخیک المومن الاخیراوانت تجد لها فی الخیر محملا۔[2]

"جو بھی بات تیرے مومن بھائی کے منہ سے نکلے تو اس کے متعلق اچھا گمان کر جبکہ تو اس کی کوئی بھی اچھی تاویل کر سکتا ہے"

مختلف مسالک اور فرقوں کے مابین بڑھتی ہوئی خلیج کا سبب حسن ظن کا فقدان ہے۔ محض کسی کی نیت پر شک کرتے ہوئے ہم اس کی بات کے ایسے ایسے مفاہیم تراش لیتے ہیں جو متکلم کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے۔ اگر ہم حسن ظن کے حکم پر عمل پیرا ہوتے تو شاید جنگ وجدل کے وہ معرکے بپانہ ہوتے جو ہو رہے ہیں اور تکفیر و تفسیق کا وہ مقابلہ نہ ہوتا جس میں امت کی ساری صلاحیتیں کھپ گئی ہیں۔ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا، آذان سے پہلے درود پڑھنا، آمین بالجہر وغیرہ جیسے فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے کے خلاف جو منکر ذکر، لوگوں کی نماز میں خلل ڈالنے والے، منکر درود اور بدعتی وگستاخ کے فتاویٰ بانٹے جاتے ہیں

---

[1] ۔الحجرات:12

[2] ۔ابن کثیر، عمادالدین، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ قدوسیہ، 4: 314

وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں اور یہ فتوے صرف اور صرف سوء ظن کی بنیاد پر ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی مسلمان کسی کی نماز میں خلل ڈالنے، ذکر سے انکاری، درود کا منکر یا بدعتی کبھی بھی نہیں ہو سکتا صرف حسن ظن کی کمی ہے اور بس۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلک دوسرے مسلک کے خیر کے پہلو کو ترجیح دے اور اس سے اختلافی مسائل کو افراط و تفریط قرار دے کر انہیں معذور جان لے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم انکی غلطی کو غلطی سمجھیں۔ اختلاف کو اختلاف سمجھیں لیکن حسن ظن سے کام لیں کہ اس بندے نے فلاں وجہ سے اعتدال سے کام نہیں لیا جسکی وجہ سے اس کا فلاں عقیدہ باطل ہے لیکن اسکی نیت پر شک نہ کریں اس طرح اختلاف ضرور رہے گا لیکن وہ اختلاف دلیل کا اختلاف ہو گا نہ کہ لڑائی جھگڑے کا۔ اسے معذور جانتے ہوئے اسکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ جن مسائل پر آج مناظرے ہوتے ہیں اور قوم بجا طور پر یہ سمجھنے پر مجبور ہوتی ہے کہ اسلام بس یہی ہے کہ آمین بالجہر پڑھنے والوں یا نہ پڑھنے والوں کو شکست دے کر انہیں بدعتی اور خارج از اسلام قرار دے دیا جائے۔ یہ مسائل آئمہ اربعہ میں بھی مختلف فیہ تھے۔ ان کے پیروکاروں میں ان مسائل پر مباحث بھی ہوتی تھیں لیکن ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے لئے نہیں۔ یہ اختلاف دلیل کی حد تک اور علمی نوعیت کا تھا۔ وہ علمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور تاریخ میں اسکے بڑے خوبصورت منظر محفوظ ہیں۔ "علامہ قفال شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابو عاصم حنفی رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو موذن کو بغیر ترجیع کے اقامت کا حکم دیا اور قاضی ابو عاصم کو نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ تو ابو عاصم حنفی نے رفع یدین کے ساتھ شافعی طریقہ سے نماز پڑھی"[1] اور "امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا بغداد میں حنفی طریقہ سے نماز پڑھنا"[2] اسکی دلیل ہے، اگر ہم حسن ظن کو اپنا لیں تو ہماری صلاحیتیں ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرنے کی بجائے طاغوت کے خلاف اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے استعمال ہونگی جو ہمارا مقصد حقیقی ہے۔ اگر ہم حسن ظن کی روش پر چل نکلیں تو اختلافات تو ضرور رہیں گے لیکن نہ صرف یہ کہ جنگ و جدل کے معرکے بپا نہیں ہونگے بلکہ ایک احترام باہمی کی خوبصورت فضا پیدا ہو گی۔

---

[1]۔ بنوری، محمد یوسف، معارف السنن شرح جامع الترمذي، ایچ-ایم-سعید کمپنی -کراچی، 2:333

[2]۔ ابن حجر، شہاب احمد، الخیرات الحسان، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، لاہور، ص:166

کلمہ گو کو کافر و مشرک کہنے سے احتراز کرنا

امت مسلمہ میں اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں ایک بڑا حصہ ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوؤں کا بھی ہے۔ ایمان ایک بندہ مومن کی پہلی اور سب سے قیمتی متاع ہوتی ہے کسی نے اسے کافر و مشرک یا گستاخ و بدعتی کہا تو ظاہر ہے وہ بھی جواب میں ایسا ہی رویہ استعمال کرے گا اور نتیجہ وہی نکلے گا کہ ہر فرقہ دوسرے کو کفر و شرک سے مطعون کرے گا اور غیر مسلم خواہش کریں گے کہ ہمیں دنیا کا وہ خطہ دکھاؤ جس میں ایسے لوگ بستے ہوں جنہیں سب مسلمان کہتے ہوں لیکن ان کی یہ حسرت حسرت ہی رہے گی۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی کو کافر قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر جسے کہا جائے وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے:

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَهَذَا حَدِيثُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَأَدْرَكْتُ رَجُلًا فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَطَعَنْتُهُ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتَلْتَهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنْ السِّلَاحِ قَالَ أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ ۔[1]

"اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ (ﷺ) نے ایک سریہ میں بھیجا تو ہم صبح صبح جہینہ کے علاقہ میں پہنچ گئے میں نے وہاں ایک آدمی کو پایا اس نے کہا لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ، میں نے اسے ہلاک کر دیا پھر میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہوا کہ میں نے مسلمان کو قتل کیا یا کافر کو؟ تو میں نے اس کے متعلق نبی (ﷺ) سے ذکر کیا تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کیا اس نے لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ) اس نے تو یہ کلمہ تلوار کے ڈر سے پڑھا تھا، آپ (ﷺ) نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں، آپ (ﷺ) بار بار یہی کلمات دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا"

[1] ۔ نیشاپوری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح المسلم، انٹرنیشنل حدیث نمبر: 277

لیکن جو روش اس امت میں چل پڑی ہے اسکا جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے امت مسلمہ میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر و مشرک سے مطعون کرنے کا رجحان خطرناک حد تک پھیل چکا ہے۔اسلام میں کسی ایسے کلمہ گو انسان کو جو ضروریات دین کا انکار نہ کرتا ہو کو کافر و مشرک کہنا بڑا جرم ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ[1]

"جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک پہ کفر آئے گا اگر وہ واقعی کافر ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا"

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول بھی اس تناظر میں ہے کہ:

ولا نكفر مسلما بذنب من الذنوب وان كانت كبيره ولا نزيل عن اسم الايمان[2]

ہم کسی بھی گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی ہو۔اور اس سے ایمان کا نام زائل نہیں کرتے"

اگر ہم میں سے ہر فرقہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہتا ہے تو پھر امت مسلمہ کہاں ہے؟اور مسلمان قوم دنیا میں ڈیڑھ ارب مسلمان ہیں تو کہاں ہیں؟ یہ بات حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کے فرقہ و مسلک والے ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہتے ہیں اور ایک عالم کافر ہی ہے وہ سنی،شیعہ،دیوبندی،بریلوی اور اہلحدیث کی تخصیص کے بغیر ہمیں مسلمان مانتے ہیں اور وہ تمام امت پر اس وقت یلغار کیے ہوئے ہیں اور ہم انکے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں اپنی اس روش کو بدلنا ہو گا ورنہ زوال کی انتہاؤں میں تو ہم گر ہی چکے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری داستان بھی نہ ہو داستانوں میں۔

اصل ذمہ داری کا شدید احساس

امت مسلمہ میں اختلاف کی خلیج کے وسیع تر ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمیں اپنی اصل ذمہ داری کا

[1] صحیح مسلم، حدیث:218

[2]۔ ملا علی قاری، شرح ملا علی قاری علی الفقہ الاکبر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص:71

احساس نہیں رہا۔ امت مسلمہ کی اصل ذمہ داری یہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک ثابت کرتے رہیں۔ بلکہ ان کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ ہر اس بندے تک اللہ کا پیغام پہنچائیں جس تک یہ پیغام نہیں پہنچا۔ ابھی تک دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ ہے جہاں تک دین حق کا پیغام نہیں پہنچا اور ہمیں اپنے مسلکی جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں۔ اور اس ذمہ داری کا شاہد ہمیں احساس ہی نہیں۔ امت مسلمہ کو باہمی اختلافات کو برداشت کرتے ہوئے اتحادو یگانگت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنی اصل ذمہ داری اور مقصد اولین کو پہچاننا چاہئے۔ قرآن مجید میں ہماری اصل ذمہ داری یہی بتائی گئی ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[1]

"تم بہترین امت ہو تمہیں لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو"

ہمیں اس آیت میں ہماری اصل ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے جو دیگر امم پر فضیلت اور برتری کا سبب ہے۔ ایمان سب سے بڑی نیکی اور کفر سب سے بڑی برائی ہے اس لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا یہ سب سے اہم مظہر ہے۔ لیکن ہم اپنا یہ اولین فرض بھول بیٹھے ہیں کیونکہ آپس کے کفر و شرک ثابت کرنے کے بعد ہمارے پاس وقت بچتا ہی نہیں کہ ہم اس فریضہ سے سبکدوش ہو سکیں۔ ہمیں اپنا مقصدِ حقیقی یاد دلاتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾[2]

---

[1]۔ آل عمرآن:110

[2]۔ آل عمرآن:104-105

"اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بُرائی سے منع کریں اور یہی لوگ مُراد کو پہنچے۔ اور ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اور اُن میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انہیں آچکی تھیں اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

امر بالمعروف کا فریضہ حسب استطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عن ابی سعید الخدری قال: سمعت رسوال الله ﷺ یقول:من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان ۔[1]

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے: جو شخص تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر طاقت نہیں ہے تو اپنی زبان سے (برائی کو دور کرے) اگر اسکی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (اسے برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ:

عن رسول اللهﷺ أنه قال: وَالَّذِي نَفسِي بِيَدِه، لَتَأْمُرُنَّ بِالمَعرُوف، وَلَتَنهَوُنَّ عَنِ المُنْكَر؛ أَو لَيُوشِكَنَّ الله أَن يَبْعَثَ عَلَيكُم عِقَاباً مِنْه، ثُمَّ تَدعُونَه فَلاَ يُسْتَجَابُ لَكُم[2]

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے پھر تم اللہ سے دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے"

انفرادی طور پر یہ حکم حسب استطاعت ہر انسان پر لازم ہے اور اجتماعی اور منظم انداز میں اس فریضہ کو انجام دینا اس امت پر فرض کفایہ ہے۔ انفرادی دعوت وارشاد کا فریضہ سر انجام دینے کے باوجود اس امت پر لازم ہے کہ یہ ایک ایسا گروہ تیار کریں جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور انہیں شر سے بچنے کی تلقین کرے۔ اسکی اعلیٰ

[1] ۔ صحیح مسلم، حدیث:49

[2] ۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، انٹرنیشنل حدیث نمبر:468

ترین شکل کفار و مشرکین تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے کیونکہ کفر سب سے بڑا منکر اور ایمان سب سے بڑا معروف ہے۔ حقیقی بات یہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی ہر دو لحاظ سے ناکام اور غافل رہے ہیں۔ ہماری ساری سعی ایک دوسرے کو نیچا دیکھانے اور مستحب و مکروہ کی حد تک لڑائی ہے۔ فرائض و واجبات کے تارکین سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ حقائق کا سامنا کرتے ہوئے اور انتہائی ٹھنڈے دل سے ہمیں اس حقیقت پر غور کرنا چاہئے۔

وسعت مطالعہ کا شعور اور دیانت علمی

کسی بھی مصنف کی کتاب کو صرف اپنے اپنے مطلب کے جملے حاصل کرنے کے لئے خاص زاویہ نگاہ سے پڑھنا اور چیز ہے اور مصنف کی رائے کو سمجھنے کے لئے پڑھنا اور چیز ہوتی ہے۔ شدت اور انتہا پسندی کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی انسان کا مطالعہ کتابوں کی بجائے چند جملے پڑھنے کی حد تک محدود ہو جاتا ہے اور وہ بھی کسی خاص فکر کے تحت۔ اصل کتابوں کو تو شاید ہم نے دیکھا بھی نہیں اور نقل در نقل عبارتیں پڑھ کے نظریہ قائم کر لیا۔ یہ اختلاف اور انتشار کا بہت بڑا سبب ہے۔ ہم پر یہ فکر اس حد تک مسلط ہو گئی ہے کہ اول تو ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کی کتابیں پڑھنے کو ہی گمراہی تصور کرتے ہیں۔ اگر کچھ علماء پڑھتے بھی ہیں تو صرف دوسروں کو گمراہ اور جاہل ثابت کرنے کے زاویہ نگاہ سے۔ ہم اس بات کو عموماً فراموش کر دیتے ہیں کہ علم کسی کی میراث نہیں ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم تعصب اور فرقہ ورانیت کی عینک اتار کر ایک دوسرے کے علماء کی کتابیں پڑھیں؟ اس سے لازمی طور پر ایک مثبت فکر پروان چڑھے گی۔ اختلاف رہے گا لیکن قتل وغارت گری ،افتراق اور کفر و شرک کے فتووں سے نجات مل جائیگی۔ وسعت مطالعہ سے دوری اور کلام کو سیاق و سباق سے ہٹ کر صرف جملے پڑھ کر فتوے لگانے سے کفر و شرک کی جو مشین ماضی میں چلی اس سے ہم سب واقف ہیں ۔ جس پر کچھ کہنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہے۔ آپ مسلکی جوش میں لکھی گئی کوئی کتاب اٹھائیں وہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق نظر آئے گی۔

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[1]

"سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے (دین میں) شورش ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کا (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ ان کا (صحیح) مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا جو لوگ علم (دین) میں پختہ کار (اور فہیم) ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر (اجمالاً) یقین رکھتے ہیں (یہ) سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں"

کاش ہم سیاق وسباق سے عاری جملوں کے مطالعہ کی بجائے پوری کتابوں کو انتہائی ایمانداری اور غیر جانبداری سے مسلکی تعصب کی عینک اتار کر پڑھیں۔ ہم یقیناً محسوس کریں گے کہ اکثر اعتراضات صرف سیاق وسباق سے قطع نظر کر لینے کی وجہ سے ہیں۔ اگر وسعت مطالعہ کی عادت ڈال لی جائے اور انفرادی رائے کو مسلک پر نہ ٹھونسا جائے تو اس امت کے بہت سے اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

مسلک یا اسلام؟

مسلک کے متعلق ہم افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ کچھ لوگ جو اپنے آپ کو زیادہ اعتدال پسند اور پڑھا لکھا ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم صرف مسلمان ہیں۔ ہمارا کوئی مسلک نہیں۔ اور کچھ لوگ اپنے پوری زندگی مسلک کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ مجھے کسی کے اخلاص اور نیک نیتی میں تو شبہ نہیں تاہم یہ دونوں نقطہ ہائے نظر افراط اور تفریط پر مبنی ہیں۔ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر مسلمان کا ایک مسلک بھی ہوتا ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ اس کی جدوجہد اور کاوشوں کا دائرہ کار کیا ہونا چاہیے؟ کیا وہ پوری زندگی مسلک کی خدمت میں ہی صرف کر دے یا اسے ترجیح اسلام کی خدمت کو دینی چاہیے؟ اس سوال کا جواب سمجھنے کے لئے ہمیں اسلام اور مسلک کا دائرہ کار متعین کرنا پڑے گا۔ مسلک اور اسلام ایک دوسرے سے متضاد اور متباین چیزیں تو قطعاً نہیں ہیں لیکن مسلک اور اسلام ایک دوسرے کے مترادف بھی نہیں ہیں۔ اسلام کل ہے اور مسلک اس کا جزو ہے۔ کل سے روگردانی کر کے ساری زندگی ایک جزو پر لگا دینا کوئی وقت کا اچھا مصرف نہیں ہے۔ اسلامی عقائد

---

[1] ۔ آل عمرآن:7

جن پر کفر واسلام کا دارومدار ہے قطعی ہوتے ہیں اور مسلکی اختلافات عموماً ظنی ہوتے ہیں۔ مسلکی اختلاف کی ترجیح نے ہمارا مزاج ایسا بنادیا ہے کہ ہمیں جہاں لڑنا نہیں چاہیے وہاں لڑتے ہیں اور جہاں لڑنا چاہیے وہاں نہیں لڑتے۔

تکریم انسانیت کا شعور اجاگر کرنا۔

قتل وغارت گری اور توہین وتضحیک کی فکر کو پروان چڑھانے میں ایک بنیادی عنصر یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ جب اسلام کی ان تعلیمات کو بھلادیا جاتا ہے جو اس نے تکریمِ انسانیت اور احترامِ آدمیت کے تناظر میں زمانے کو دی ہیں۔ اسلام ہر انسان کا بحیثیت انسان احترام کرنے کا درس دیتا ہے۔ اس کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب کے ساتھ ہو اور وہ کسی بھی عقیدے کا حامل ہو۔ یہ حکم عمومی حالات میں ہے۔ اگر اس کے خلاف جہاد ہو رہا ہو تو اس کے احکامات الگ ہوں گے۔ جہاد کی صورت میں وہ آپ کے خلاف پوری جدوجہد کرے گا اور آپ اس کے خلاف۔ اسلام ایک ذمی کی جان کو بھی جو تحفظ دیتا ہے اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے فرمان سے لگایئے:

من قاتل معاہدہ فی غیر کنهه حرم الله علیه الجنه[1]

"جس نے کسی ذمی کو ناحق قتل کیا اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے"

اسی طرح دوسری حدیث میں ذمی کو ناحق قتل کرنے پر جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکنے کی وعید سنائی گئی ہے[2]

اب سوال یہ ہے ذمی پر ظلم بھی سخت ممنوع ہے تو مسلکی اختلاف کے سبب کسی مسلمان پر ظلم کرنا، اس کی توہین یا اسے قتل کر دینا، پھر کتنا بڑا گناہ ہوگا؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کو بغیر کسی مذہب، مسلک، قوم، رنگ ونسل سے بالاتر ہو کر تکریم انسانیت اور احترام آدمیت دی جائے۔

اتحاد کی تاکید اور اختلاف کی مذمت کا شعور

مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج کے وسیع سے وسیع تر ہونے کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جیسے نمازاور روزہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے ایسے ہی اس نے ہمیں اتحاد و یگانگت کا بھی حکم دیا ہے۔ جیسے اس نے ہمیں سود اور جھوٹ سے منع کیا ہے ویسے ہی اس نے ہمیں انتشار اور

---

[1]۔ امام المنذری، الترغیب والتربیب، دار ابن حزم، بیروت، حدیث:3606

[2]۔ الترغیب والترهیب، حدیث:3605

افتراق سے بھی بڑی سختی سے منع کیا ہے۔ قرآن اور سنت میں بڑی سخت تاکید کے ساتھ ایمان والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اختلاف وانتشار سے بچیں اور اتحاد واتفاق سے رہیں۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِه اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِه لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ[1]

"اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہوں اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گھڑے کے کنارے پر اس نے بچا لیا تمھیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو"

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[2]

"بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کرادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے"

یہ تبھی ممکن ہے جب ہم قرآن سے اپنا تعلق گہرا کریں گے، اصل دین کو قائم کرنے کی پوری کوشش کریں گے باہر میں حسن و تعصب سے دور ہوں گے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو پھر لاچاری اور بے بسی ہمارا مقدر بن جائے گی۔ قرآن مجید میں بھی بارہا آپس کے اختلافات ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى

---

[1]۔ آل عمران:103

[2]۔ الحجرات:10

اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾[1]

" اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان لوگوں کے لیے عذاب ہے بہت بڑا"

اسی طرح حدیث رسول ﷺ میں بھی بہت سارے مقامات پر ہمیں اختلاف کی مذمت کا شعور ملتا ہے۔"تم جس بندے کو دیکھو کہ وہ امت محمدیہ میں فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے اسے قتل کر دو وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو"[2] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوص وہ آدمی ہے جو بہت زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے"[3] مندرجہ بالا قرآنی آیات اور احادیث سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ ہم اپنا باہمی اختلاف ختم کریں اور آپس میں اتحاد و یگانگت کے ساتھ رہیں ورنہ زوال کی پستیاں ہمارا مقدر بنے گیں۔ قرآن مجید اور سنت نبوی سے گہرا تعلق ہی اتحاد و اتفاق کی اساس ہے۔

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ [4]

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے نبی اکرم (ﷺ) کی سنت"

ہم اگر اپنے رویوں پر غور کریں تو ہم نے ان دونوں ذرائع نجات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو فہم قرآن و سنت رکھتے ہیں؟ جب سے قرآن کو عوامی سطح پر صرف ثواب کی نیت سے پڑھا جانے لگا۔ علماء تقریر کے شروع میں ایک آیت برکت کے لیے پڑھ کر ساری تقریر اپنی طرف سے کرنے لگے اور انکی تقریر میں فکر قرآنی غیب ہو گئی تو اختلاف امت بڑھتا ہی چلا گیا۔ جن چند فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر آج فتنہ و فساد پھیلایا جا رہا ہے۔ یقین جانیں وہ قرآنی فکر کی سطح سے بہت نیچے کے مسائل ہیں۔ ہمیں اپنی تقریر و تحریر میں قرآنی فکر کو پھیلانا ہو گا تاکہ ہمارا تعلق حبل اللہ سے جڑ جائے اور امت اپنے مقصد حقیقی کی طرف گامزن ہو سکے۔

---

[1] ۔ الانعام:159

[2] ۔ نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، دارلسلام، ریاض، حدیث نمبر: 1317

[3] ۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: 1108

[4] ۔ امام مالک بن انس، موطا امام مالک، دارالقلم، دمشق، حدیث نمبر:1594

خلاصہ بحث و نتائج

امت مسلمہ آپس میں اتفاق و اتحاد سے رہے اور اپنی صلاحیتوں کو اپنے مقصد اصلی یعنی کافروں کو مسلمان کرنے اور مسلمانوں کی بے عملی ختم کرنے میں صرف کرے۔اتحاد سے مراد انضمام نہیں ہے۔کیونکہ اس کی تمنا کے باوجود ممکن نظر نہیں آتا۔ اتحاد سے مراد صرف اتحاد ہے کہ ہر کوئی اپنے اپنے مسلک پر کاربند رہتے ہوئے علمی گفتگو کا سلسلہ روا رکھے جو کہ ایک مستحسن عمل ہے اور ایک دوسرے کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جائے۔اگر ملت اسلامیہ متحد ہوتی تو آج اسکا خون اتنا ارزاں نا ہوتا۔اگر اختلاف و انتشار نے اسے پارہ پارہ نہ کیا ہوتا تو باطل کبھی بھی اسکی طرف میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکتا۔اگر فرقہ بندی نے اسے کھوکھلا نہ کیا ہوتا تو آج اسکی یہ زبوں حالی نا ہوتی جسکا تصور کرکے دل خون کے آنسو روتا ہے، آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔مسلکی اور گروہی اختلافات کے حل صدیوں سے نہیں ہوئے تو آج بھی تقریباً ناممکن نظر آتے ہیں۔ہمیں اپنی اصل توجہ نظریاتی کفر سے ہٹا کر قطعی کفر کی طرف مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ہمیں نقاط اشتراک پر جمع ہونا چاہیے۔بجائے اسکے کہ ہم بلا وجہ اختلاف پر اپنا سارا وقت اور طاقت خرچ کریں ہمیں اپنی ترجیحات کو بدلنا ہوگا۔تب ہی امت کا افتراق و انتشار ختم ہو سکتا ہے۔عملی طور پر یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ایک کا محبوب سب کا محبوب ہو۔لیکن ہر محب یہ ضرور چاہتا ہے کہ کوئی بھی اسکے محبوب کی تنقیص نہ کرے اور کوئی بھی اسکی توہین کا ارتکاب نہ کرے۔لہذا ہمیں دوسروں کے اقابرین کا احترام کرنا چاہیے۔دوسر مسالک کے لیے حسن ظن رکھیں اور سوء ظن کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیں۔ایک دوسرے پر کفر شرک کے فتاوی کے باب کا بند ہونا امت مسلمہ کے اتحاد کے لیے ناگزیر ہے۔ہمیں اپنی اصل ذمہ داری اور مقصد حقیقی پر ساری توجہ مرتکز کرنی چاہیے تاکہ ہر اس بندے تک اسلام کا پیغام پہنچ جائے جس تک ابھی نہیں پہنچا اور امت کی بے عملی اور بے علمی کا خاتمہ ہو۔شدت اور انتہا پسندی کا رجحان وسعت مطالعہ اور دیانت علمی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ہر انسان کی کسی بھی مسلک کے ساتھ وابستگی سر آنکھوں پر، اور مسلکی دائرہ میں فکر کی محدودیت بھی مسلم لیکن ہمیں اپنی کوششوں کا محور مسلک کی بجائے دین اسلام کو بنانا چاہیے۔تکریم انسانیت کا شعور اجاگر کرکے بھی امت میں اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔